KitaabPoint.blogspot.com

''بھائی آپ تو کھڑے ہو گئے۔ آخر اتنی عجلت کیا ضرور ہے۔''

''ادھر میرٹھ والوں کے یہاں آج مشاعرے کا اہتمام ہے اور ساتھ میں پشاوری پراٹھے اور کباب۔ چپڑی اور دو دو۔ آپ کی کیا نیت ہے۔''

''ارے بھائی مجید الحسینی' ہماری کیا نیت ہوتی۔ ہماری سماعت اور ہمارا معدہ دونوں ہی کو اس میں سخن ہے۔ نہ ہم میں آج کل کے مشاعروں کو سننے کی تاب ہے نہ آج کل کی غذاؤں کو ہضم کرنے کی سکت ہے۔''

ہم نے وہاں سے نکل کر اطمینان کا سانس لیا۔ قاعدے سے اب ہمیں میرٹھ والوں کی طرف چلنا چاہیے تھا۔ مگر مجو بھائی نے چلتے چلتے ایک اور شوشہ چھوڑ دیا۔ کلائی پہ لگی گھڑی دیکھتے ہوئے بڑبڑائے ''ہاں' ابھی گنجائش ہے۔'' اور پھر مجھ سے مخاطب ہوئے ''یار جواد' کیا خیال ہے اچھی بی کہ خیریت پوچھتے نہ چلیں۔ معلوم تو کرنا چاہیے کہ ڈاکوں کے ہاتھوں ان پر کیا گزری۔''

''وہ تو آپ کو اپنی بشو بھابی کے ذریعہ معلوم ہو گیا۔'' میں نے سرد مہری سے کہا۔

''یار' تم نے ان کے لہجہ پر غور نہیں کیا۔ یہ لکھنو والے دلی والوں کو بخشتے نہیں۔ ان کے ڈاکہ پڑا اور وہ طنز سے باز نہیں آئیں۔ تو صحیح احوال تو انہیں سے معلوم ہو گا۔ اور یار مرزا صاحب سے تمہاری بھی یاد اللہ ہوا کرتی تھی۔'' ''ہاں ہوا کرتی تھی۔ تھوڑا عرصہ میرا ان کا دفتری ساتھ رہا ہے۔ اب تو اپنے حساب کتاب کے سلسلہ میں بینک کا پھیرا لگائیں تو مڈھ بھیڑ ہو جاتی ہیں۔ دفتر میں مڈھ بھیڑ کو ملاقات تو نہیں کہا جا سکتا۔'' ''مگر وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ جب بھی میں ملا انہوں نے تمہارا احوال ضرور پوچھا۔ وضعدار آدمی ہیں۔ ہمیں بھی ان کے ساتھ تھوڑی وضعداری تو برتنی چاہیے۔''

''ہاں ضرور چاہیے۔ مگر تمہارے کباب پراٹھے تمہارے انتظار میں ٹھنڈے ہو جائیں گے۔''

''میں نے گھڑی دیکھ کر تم سے بات کی ہے۔ ابھی گنجائش ہے۔ ہمیں وہاں کونسا لمبا بیٹھنا ہے۔ بس خیریت پوچھنی ہے چلے چلو یار۔ رستے میں تو ہیں ہی۔ کونسا تمہارا پٹرول زیادہ خرچ ہو جائے گا۔''

لیجئے مجو بھائی نے ایسی بات کہہ دی کہ اب میں انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ سو میرٹھ والوں کی طرف جاتے جاتے گاڑی کا رخ موڑا اور مرزا صاحب کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ مرزا صاحب ہمیں دیکھ کر خوش ہوئے۔ خاص طور پر مجھے دیکھ کر۔ ''ارے تم کہاں۔'' مجو بھائی سے مخاطب ہو کر ''مجو بھائی' آپ نے یہ اچھا کام کیا۔ جواد میاں کو لے آئے۔ کتنے زمانے بعد اس عزیز کو دیکھا ہے۔ میرے عزیز اچھے تو ہو۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''اللہ کا شکر ہے۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے۔ جو وقت خیریت سے گزر جائے غنیمت ہے۔''

''خیریت ہی تو ہم معلوم کرنے آئے تھے۔'' مجو بھائی بولے ''بھائی اقن کے گھر سے آ رہے ہیں۔ وہاں پتہ چلا کہ ڈاکوؤں نے آپ کے گھر کو بھی نواز دیا۔ بس وہاں سے اٹھ کر سیدھے آپ کی طرف آ رہے ہیں کہ معلوم کریں کہ خیریت تو رہی۔''

بس اسی دم اچھی بی آن ٹپکیں۔ ''اے میں نے کہا کہ کون آیا ہے۔ کس سے باتیں کر رہے ہو۔''

''مجو بھائی آئے ہیں اور یہ ہمارے پرانے دوست جواد میاں ہیں۔ ڈاکہ کی خبر سن کر آئے ہیں' پوچھتے ہیں کہ خیریت تو رہی۔''

''اے بھیا' خیریت تو رہتی تھی۔ مگر میں تھا کیا جو لے کے جاتے۔ ہماری بہو گھر میں پہلے ہی جھاڑو دے گئی تھی۔ رہا کیا تھا جو انہیں ملتا۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ کلموؤ مجھ دکھیا کے پاس کیا رکھا ہے۔ سوئیوں والے محلہ میں ہمارے گھر آئے ہوتے۔ واں اللہ جھوٹ نہ بلوائے' ہمارے الغاروں دولت تھی۔ اس گھر سے کپڑے جھاڑ کے نکلے تھے۔ یہاں جو کچھ تھا بیٹے کا تھا۔ وہ بہو سمیٹ کے لے گئی۔ میرے حلق پہ کیا بندوق رکھی ہے۔ اس کے حلق پہ رکھو۔ سونا اگلے گی۔ پوچھنے لگے کہ کہاں ہے۔ وہ میں نے کہا کہ تم پہ خدا کی سنوار' تمہیں یہ بھی پتہ نہیں ہے۔ اس نے تو کلفٹن میں الگ گھر بنا لیا۔ زیور کپڑے سب لے گئی۔ اے بھیا انہیں یقین ہی نہ آوے۔ میں نے کہا کہ اچھا ادھر طاق میں میری حلہ دانی رکھی ہے۔ میری جمع جتھا سب اس میں ہے۔ دیکھ لو اس میں کیا ہے۔ اور پاندان ذرا میری طرف سرکا دو۔ کمبختوں نے میری حلہ دانی کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ اس میں انہیں ملنا کیا تھا۔ مجھے ایسی لال پیلی نظروں سے دیکھا کہ جیسے کھا جائیں گے۔ بس مجھے ایک ہی فکر تھی کہ میرا پاندان نہ لے جائیں۔ یہ پاندان مجھے تایا ابا نے مراد آباد سے منگوا کے دیا تھا۔ کتنا زمانہ ہو گیا۔ مگر اس کی آب اسی طرح سے قائم ہے۔''

''چلو خیریت گزری' کوئی نقصان نہیں ہوا۔''

''اے بھیا' پوت کی کمائی میں نے سنگھوائی ہوتی تو نقصان ہوتا۔ بہو نے ہمیں اس جوگا ہی نہ رکھا کہ ہمارا کوئی نقصان ہو۔ بیبیوں نے مجھ سے کہا کہ اچھی بی بہو کے عیب ثواب ڈاکوؤں کے سامنے اگلنے کیا ضروری تھے۔ ارے پہلے تو میں بھی یہی سوچتی تھی۔ وہی مثل کہ آٹے کا چراغ گھر رکھوں تو چوہا کھائے' باہر رکھوں تو کوا لے جائے۔ تو اپنی جان پہ سہتی تھی مگر کسی سے کچھ نہیں کہتی تھی۔ مگر اب تو پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ اب تو ایرا غیرا ہو' چور ہو' اچکا ہو' ڈاکو ہو' ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کے کہوں گی کہ میری بہو نے میرے ساتھ کیا کیا۔ دیکھتی ہوں میرا کرئی کیا کرتا ہے۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''جانے بھی دو سعادت کی ماں۔ اس کا فعل اس کے ساتھ۔ ہمارا فعل ہمارے ساتھ۔''

''اجی کیسے جانے دوں۔ بہت دنوں آنا کانی دیتی رہی۔ اب میں چپ نہیں رہوں گی۔ اور اے بھیا مجو بھائی' ایک تو یہ تمہارے زمانے نے بہت قیامت اٹھائی ہے۔ لڑکیوں کے دیدے کا پانی ہی مر گیا۔ ارے پہلے تو گھروں میں ملی دلی رہا کریں تھیں۔ ڈیوڑھی بس ایک ہی دفعہ تانکتی تھیں' جب ان کی ڈولی چڑھتی تھی' ہماری دلی میں بڑی بوڑھیاں کہا کریں تھیں کہ اچھی بہو ڈولی میں آتی ہے اور پھر چھپر کھٹ ہی پہ ڈیوڑھی سے نکلتی ہے۔''

''سعادت کی ماں' کس زمانے کی باتیں کر رہی ہو۔ اب زمانے کی ہوا اور ہے۔ میاں مجو بھائی' ایک تو زمانہ خراب' اوپر سے تمہارا یہ شہر' اب زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ لچوں لفنگوں چوراچکوں ڈاکوؤں دہشت گردوں کی بن آئی ہے۔ شرفا کا ناطقہ بند ہے۔ میاں کہاں آن پھنسے۔''

''اے مجو بھائی' اچھی بی نے ٹکڑا لگایا۔'' اللہ قسم ہم تو اپنے سوئیوں والے محلے میں کھم کی طرح کڑے بیٹھے تھے۔ اس نحوست ماری ہندو مسلمان کی بیر اکھیری میں دلے گئے۔''

''اب اس نئی بیر اکھیری میں دلے جا رہے ہیں۔'' مرزا صاحب نے آہستہ سے کہا۔

''اجی اب تو دلا ہی جاتا ہے۔ اب تو ہم ڈال سے ٹوٹا پتہ ہیں۔ اس وقت کی بات ہی اور تھی۔ سچ مچ کھم کی طرح گڑے بیٹھے تھے ماشاءاللہ سے دھاک جمی ہوئی تھی۔ پشتوں سے جمے جو بیٹھے تھے۔ پوتڑوں کے امیر۔ اللہ بخشے ہمارے سسر ایسے حکیم تھے کہ جنات ان سے علاج کرانے آتے تھے۔ بھیا تمہیں یقین نہ آوے گا' انہوں نے شاہ جنات کا علاج کیا تھا۔ اماں بی بتایا کریں تھیں کہ ایک دفعہ وہ تین دن تک غائب رہے۔ شہر میں ڈھونڈھیا پڑ گئی کہ آخر گئے کہاں تمہارے ابا میاں۔ تیسرے دن کیا دیکھوں کہ بگھی سے اتر رہے ہیں۔ وہ لمبے تڑنگے مزدور سر پہ دو بوریاں لئے ہوئے۔ اشرفیوں سے بھری بوریاں۔ اے بی' میں تو پھوچکی رہ گئی۔ اور اچانک بگھی بھی غائب' مزدور بھی غائب' میں حریان کبھی تمہارے ابا میاں کو دیکھوں کبھی اشرفیوں کی بوریوں کو۔ تمہارے ابا میاں بولے' پوچھو مت' بس سنگھوالو۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ شاہ جنات کو ڈبل نمونیہ ہو گیا تھا۔ میں پہنچا ہوں تو آخری دموں پہ تھا۔ بس اللہ نے عزت رکھ لی۔ تو بھیا ہمارے سسر ایسے حکیم تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے' شاہ جنات کا آدمی آتا۔ اشرفی نذرانہ پیش کرتا اور خمیرے کی ڈبیا لے جاتا۔ وہ کوئی خاص ہی خمیرہ تھا۔ ابا میاں نے کبھی بتایا نہیں کہ یہ کاہے کا خمیرہ ہے۔'' پھر فوراً مرزا صاحب سے مخاطب ہوئیں۔ ''اجی تم بتاتے کیوں نہیں ہو' تم نے تو ان کی بہت سی کرامات دیکھی ہوں گی۔''

KitaabPoint.blogspot.com

مرزا صاحب نے تامل کیا۔ پھر بولے "ہمارے والد اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے خالی حکیم ہی نہیں تھے' صاحب کرامت بزرگ بھی تھے۔ دوا کے ساتھ دعا بھی کرتے تھے۔ تب ہی تو دوا زیادہ اثر کرتی تھی۔ ایک دفعہ عجب واقعہ ہوا۔" اچھی بی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "ان کے نانا میاں کے ایک ملنے والے حج کر کے آئے تو نانا میاں کی بیٹھک میں انہوں نے والد صاحب قبلہ کو دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ جب والد صاحب قبلہ رخصت ہو گئے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے۔ نانا میاں نے کہا کہ یہ میرے نواس داماد تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ مدینہ سے کب آئے۔ نانا میاں نے حیران ہو کر کہا کہ اماں' تم مدینہ کی بات کرتے ہو۔ انہوں نے کبھی دلی سے قدم نہیں نکالا۔ تب وہ بزرگ بولے کہ مگر میں نے تو انہیں مسجد نبوی میں وعظ دیتے دیکھا ہے۔"

مرزا صاحب چپ ہو گئے۔ پھر وقفہ کے بعد ٹھنڈا سانس بھر کر بولے۔ "کیا زمانہ دیکھا تھا اور کیا زمانہ دیکھ رہے ہیں۔ سچی بات ہے اب زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر کیا کریں' جب تک کی زندگی ہے اس وقت تک تو زندہ رہنا ہے۔"

یہ کہتے کہتے مرزا صاحب گہری سوچ میں چلے گئے۔ پھر بہت افسردہ لہجہ میں بولے "پتہ نہیں یہ ذکر کیسے نکل آیا۔ میں تو اس زمانے کو اب یاد ہی نہیں کرتا۔ تکلیف ہوتی ہے۔ ایک وقت میں بہت یاد کیا اس زمانے کو' اس شہر کو' جواد میاں ان دنوں تم تو ہمارے ساتھ دفتر میں کام کرتے تھے۔ تمہیں تو یاد ہوگا۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا۔"

"جی یاد ہے۔ میں نے آپ سے دلی کی بہت داستانیں سنی ہیں۔"

"مگر کیا تم یقین کرو گے کہ اب دلی کا میں بالکل ذکر نہیں کرتا۔ ایک زمانے سے یہ نام میری زبان پر نہیں آیا۔ صبر کر لیا تھا۔ آج یہ تمہاری بھاوج ذکر لے بیٹھیں تو میری زبان پر بھی یہ نام آ گیا۔"

"جی میں تو بھولنے کی کوشش کرتی ہوں' جتنی میری بہو مجھے نہیں بھولنے دیتی۔ ارے وہاں مجال تھی بہوؤں کی کہ ساس کے سامنے چوں بھی کر جائیں۔ ساس تکلوں سے آنکھیں نکال لیتی۔ یہ تو یہاں شیرنیاں بنی پھرتی ہیں اور میری بہو تو ایسی ہفت رنگن ہے۔ اوپر سے کیسی میٹھی ہے۔ خالہ خالہ کہہ کے کیسی للو پتو کرتی ہے۔ جی میں تو آئی کہ کہوں کہ خالہ کی خل بچی' تو نے خالہ کو کوے ہنکنی بنا کے طاق میں بٹھا دیا ہے۔ پھر میں چپ ہو گئی کہ پتہ نہیں کتنا بڑھا چڑھا کر بیٹے کو بتائے گی۔"

"سعادت کی ماں' معاف کر دو اسے۔ آخر تمہارے بیٹے کی دلہن ہے۔"

"معاف ہی تو کر دیا ہے۔ جب ہی تو کچھ نہیں کہتی۔ ہمارا بیٹا خوش رہے۔ ہم بڈھے بڑھیا اسی میں خوش ہیں کہ وہ خوش رہیں۔"

"اچھا کیا اچھی بی۔" مجو بھائی بولے "بس یہ سوچ کر معاف کر دینا چاہیے کہ یہ اپنے زمانے کے لوگ ہیں۔ پچھلے زمانے کی بہت

KitaabPoint.blogspot.com

سی اچھی باتیں سرے سے ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔'' اور یہ کہتے کہتے مجو بھائی اٹھ کھڑے ہوئے۔''

''اے بھیا' یہ کیا۔ ابھی آئے اور ابھی جا رہے ہو۔''

''اچھی بی میرٹھ والوں کے کباب پراٹھے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔''

ہاں واقعی جب ہم وہاں پہنچے تو پشاوری پراٹھوں اور سیخ کبابوں کا دور زور شور سے چل رہا تھا۔ ہاتھی کے کان جتنا ورق در ورق پراٹھا ترنت ہمارے سامنے بھی آ گیا توصیف حرکت میں تھا۔ میزبانی کا حق کس سرگرمی سے ادا کر رہا تھا۔ ایک میز سے دوسری میز کی طرف۔ دوسری میز سے لپک کر تیسری میز کی طرف ہر میز والوں سے پوچھنا پراٹھے کیسے رہے اور بتانا ''جناب ہمارے میرٹھ میں تو چندی لگا کرتی تھی۔ وہاں ملتے تھے یہ پراٹھے اور اتنے لذیذ کہ چٹورے ہونٹ چاٹتے نو چندی سے پھرتے تھے اور ختم ہو جانے پر اگلی نو چندی کے انتظار میں دن کاٹتے تھے اور برس گزارتے تھے۔ اسے بھی اب ہماری نو چندی والا پراٹھا ہی جانیئے۔ اور یہ سیخ کباب ہمارے خیر نگر دروازے میں جو کبابی تھا وہ کمبخت کیا کباب بناتا تھا۔ تو یہ خیر نگر برانڈ سیخ کباب ہے۔''

گھومتا پھرتا ہماری میز پر آیا ''مجو بھائی' پراٹھا اور لاؤں؟''

''بس بھائی''

''یہ کیا بات ہوئی مجو بھائی' نو چندی والا پراٹھا ہے۔ اگر ماشہ برابر بھی فرق ہو تو میرا سر اور آپ کی نعلین جواد بھائی' آپ بتایئے ہے نا یہ نو چندی والا پراٹھا۔''

''سو فیصدی نو چندی والا''

''یار'' مجو بھائی نے ٹکڑا لگایا۔ ''اگر نو چندی والا یہاں آ گیا ہے تو پھر میرٹھ کی مخلوق ہمیں کوسے گی۔ کسی کی بد دعا لینی اچھی بات نہیں ہے۔''

''اس کا بھائی وہیں ہے۔''

''پھر ٹھیک ہے۔''

''اور کباب' ہاں کباب تو لے ہی لیجئے۔ ابھی سیخ سے اترے ہیں۔ یہ کہتے کہتے توصیف نے ڈھیرے سارے کباب ہماری پلیٹوں میں ڈال دیئے۔ پھر بولا۔ ''مجو بھائی کہئے خیر نگر کے کباب یاد آئے یا نہیں۔''

''پہلے لقمہ پر ہی میں نے جواد سے کہہ دیا تھا کہ لو میاں توصیف نے ہمیں خیر نگر کے کباب کھلوا دیئے۔ کبابی کون ہے۔ اسی کا بیٹا

KitaabPoint.blogspot.com

پوتا ہوگا۔"

"نہیں، اصل میں اس زمانے میں چھوٹ سا ایک لڑکا ہوا کرتا تھا جو وہاں بیٹھ کر انگیٹھی پہ پنکھا جھلا کرتا تھا۔ تھا چلتا پرزہ، وہاں سے اس نے مسالوں کا نسخہ اڑایا اور یہاں آ کر شروع ہو گیا۔"

"خوب"

"ہاں استاد کے کان کاٹتا ہے۔ ان کبابوں سے بڑھ کر ہی ان میں ذائقہ ہے۔"

"اچھا توصیف میاں یہ بتاؤ کہ یہ کباب پراٹھے کا بکھیڑا کب تک چلے گا اور مشاعرہ کب شروع کرا رہے ہو۔"

"زیادہ دیر نہیں ہے۔ پراٹھوں کی بساط لپیٹنے لگا ہوں۔"

توصیف چلنے لگا تھا کہ مجو بھائی نے ٹوکا "استاد، بہت مصروف نظر آ رہے ہو۔ ذرا فراغت ملے تو چند منٹ کے لئے ہمارے پاس آ کر بیٹھو بات کرنی ہے۔"

"بس ابھی فارغ ہو کر آیا۔"

"اور باجی اختری کہاں ہیں۔"

"ادھر خواتین سے نبٹ رہی ہیں۔"

"انہیں بھی ذرا بھیجنا۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"کوئی خاص بات ہے۔"

"ہاں۔"

"اللہ خیر کرے۔" مجو بھائی کے لہجہ سے توصیف نے بھانپ لیا کہ معاملہ گھمبیر ہے۔ "اور یہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ مختلف میزوں سے گزرتا، مہمانوں سے ہنستا بولتا کہیں آگے نکل گیا اور پھر غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں باجی اختری آن درآمد ہوئیں۔ "ارے بھئی تم لوگ کھا نہیں رہے۔"

"بہت کھا لیا۔" مجو بھائی نے کہا۔

"اے واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اور جواد، تم نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ کیا پراٹھے اچھے نہیں لگے۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''بہت لذیذ تھے۔ جی بھر کے کھایا ہے۔''

اور مجو بھائی نے ٹکڑا لگایا ''اتنا کھایا ہے کہ پیٹ تڑم ہو رہا ہے۔''

اتنے میں توصیف بھی آن پہنچا۔

''باجی اختری۔'' مجو بھائی نے آخر بات شروع کی۔ ''اپنے بھائی کو ذرا سمجھاؤ۔ ہر جگہ دل کی بازی اچھی نہیں ہوتی۔''

''اے ہے کیا ہوا۔ توصیف' یہ مجو بھائی کیا کہہ رہے ہیں۔''

''مجو بھائی میں سمجھا نہیں۔''

''ہاں تم کیوں سمجھو گے۔ میاں تم پہلے ادھر گئے تھے تو تمہیں بات کرنے کے لئے اور کوئی مضمون نہیں ملا۔ میرٹھ کی گڑ کی ریوڑیوں کا قصیدہ پڑھ آئے۔ وہ قند و نبات کی بات کرنے والے۔ انہیں تم میرٹھ سے لا کے گڑ کی ریوڑیاں کھلاؤ گے۔ خیر وہ بات آئی گئی تو پھر لگتا ہے کہ تم کوئی گل کھلا کے آئے ہو۔''

''بالکل نہیں مجو بھائی' کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی۔''

''نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ تم انہیں شاعری کے سلسلہ میں کوئی لیکچر پلا کے آئے ہو۔''

توصیف ہنسا ''اچھا' اچھا۔ مجو بھائی' بات یہ تھی کہ قبلہ سید صاحب اپنے لسان القوم حضرت صفی لکھنوی کے شعر سنائے چلے جا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ میں بھی اپنے میرٹھ کے کسی شاعر کی بانگی دکھاؤں۔ تو میں نے بوم ہاپوڑی کے دو تین چمکتے ہوئے سے شعر سنا دیئے۔ موصوف کی تیوری پہ بل پڑ گئے۔ حالانکہ میں نے حضرت صفی لکھنوی کے شعر پورے صبر و تحمل سے سنے تھے۔''

مجو بھائی نے ماتھا پیٹ لیا۔ ''بوم ہاپوڑی کے شعر اور اس شائستہ مزاج لکھنوی بزرگ کے سامنے۔ تمہیں اپنی میرٹھ کا اور کوئی شاعر نہیں جڑا تھا۔ ارے بیان یزدانی ہی کے شعر سنا دیئے ہوتے۔''

''بیان یزدانی۔ مجو بھائی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ۔ بیان یزدانی کو تو میں اس وقت میدان میں اتاروں گا جب وہ اپنے آتش و مصحفی کا قصیدہ پڑھیں گے۔''

مجو بھائی جیسے توصیف سے مات کھا گئے ہوں۔ اب وہ فریادی لہجہ میں باجی اختری سے مخاطب ہوئے۔ ''باجی' اس الھڑ نوجوان کو سمجھاؤ کہ رشتے کے معاملات کتنے نازک ہوتے ہیں۔ اول پٹال باتیں دوستوں کے ساتھ چل جاتی ہیں۔ ہونے والی سسرال میں نہیں چلتیں۔ موصوف پہلے گڑ کی ریوڑی اور تل بھگے کی شان میں قصیدہ پڑھ آئے۔ اب کے گئے تو بوم ہاپوڑی کا کلام بلاغت نظام اس

KitaabPoint.blogspot.com

ثقہ بزرگ کے گوش گزار کر آئے۔"

"باجی' وہ لوگ اپنے لکھنو کلچر کا ذکر اتنی عقیدت سے کرتے ہیں تو مجھے بھی تو میرٹھ کلچر کی ایک جھلک انہیں دکھانی تھی۔"

"اچھی جھلک دکھائی۔" مجو بھائی نے جل کر کہا۔

باجی اختری سنتی رہیں۔ پھر کہنے لگیں "مجو بھائی' تمہیں پتہ ہے کہ یہ تو شروع ہی سے مخولیا ہے۔ اب ان کے لئے یہ اپنی عادت تو بدلے گا نہیں۔ مگر مجو بھائی ایک بات میں بھی کہوں گی کہ یہ لکھنو والے بہت اونچے دماغ والے بنتے ہیں۔ اور بشو بھابی' وہ تو عرش میں جھولتی ہیں۔ ہمہ شما کو خاطر ہی میں نہیں لاتیں۔ پتہ نہیں کس بات کا ٹھسا ہے۔ بڑے لوگ ہوں گے تو لکھنو میں ہوں گے۔ واں ضرور ہاتھی جھولتے ہوں گے۔ یاں تو ہم نے کوئی بڑا پن دیکھا نہیں۔ اور لڑکی میں بھی کونسے لعل جڑے ہوئے ہیں۔ ہوگی پڑھی لکھی۔ ویسے تو کھٹائی ہے۔ تن پہ بوٹی نہیں۔ خالی ہڈی چمڑا ہے۔ ارے اس سے تو وہ حیدر آباد والوں کی بیٹی ہی اچھی ہے۔ تن پہ بوٹی تو نظر آتی ہے۔ ویسے بھی ہنس مکھ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سگھڑ ہے۔ وہ لوگ تو جیسے تیار بیٹھے ہوں۔ مگر میں تو ادھر بات زبان سے نکال کے پھنس گئی ہوں۔"

مجو بھائی نے آخر زبان کھولی۔ بولے "باجی اختری' ٹھیک ہے' آپ کو وہ لڑکی پسند ہے تو اسے بیاہ لائیں۔ مگر یہ سمجھ لیں کہ وہ حیدر آباد والی ہے۔ کھٹی دال اور بگھارے بینگن کھلا کھلا کے توصیف کی مت مار دے گی۔"

"اے بھیا پکا کے تو کھلائے گی۔ لکھنو والی سے تو مجھے اتنی بھی امید نہیں ہے۔ یہ لوگ تو اپنے لکھنو پن کی ٹر میں کسی کو گردانتے ہی نہیں۔ وہ پیلی بھیت والے بھی تو ہیں۔ کیسے ملنسار لوگ ہیں۔ اور ان کی بیٹی نگینہ ہے نگینہ۔ تو لڑکیوں کی ہمارے لئے کمی نہیں ہے۔ لکھنو والے کان کھول کے سن لیں۔ اور یہ بھی سن لیں کہ ہم زیادہ للو چپو نہیں کریں گے اور لمبا انتظار بھی نہیں کریں گے۔ بہت کر لیا انتظار۔ مگھم میں ہمیں نہ رکھیں۔ ادھر کریں یا ادھر۔ ہم صاف جواب چاہتے ہیں۔"

"مجو بھائی۔" توصیف نے ٹکڑا لگایا "لکھنو والوں سے میری توبہ' میں کان پکڑتا ہوں۔" "کیا مطلب ہے توصیف میاں۔" مجو بھائی بھی اب ذرا تیز ہوئے۔ "کیا مطلب ہے تمہارا' وہ شریف لوگ ہیں۔ ادھر بات ڈالی ہے تو اس طرح سے تو تم نہیں بھاگ سکتے۔ آخر دوسرے کی بھی کوئی عزت ہے۔"

"مجو بھائی آپ ذرا سوچیں۔ اور جواد بھائی آپ غیر جانبدار آدمی ہیں' آپ ذرا انصاف کریں۔ میں میرٹھیا' کھڑی بولی بولنے والا۔ میں ملائی کو بالائی کہہ سکتا ہوں۔ وہ لوگ تو گومتی میں دھلا محاورہ بول بول کے میری طبیعت صاف کر دیں گے۔"

KitaabPoint.blogspot.com

مجو بھائی سر پکڑ کر بیٹھ گئے "جواد میاں دیکھ رہے ہو۔ اپنی پانچویں قومیت والوں کا حال۔"

"اے مجو بھائی جانے بھی دو۔ تمہیں پتہ نہیں ہے کہ مخول کرنے کی اسے عادت ہے۔ باقی کرے گا تو وہی جو میں کہوں گی۔" اور فوراً ہی توصیف سے مخاطب ہوئیں۔ "ارے تو اور کیسی چاہتا ہے۔ اب تیرے لئے عرش کا تارہ تو اتر کے آئے گا نہیں۔ ہم نے تو اپنی دانست میں تیرے لئے اچھی لڑکی ہی تلاش کی ہے۔"

"اچھی کیا بہت اچھی لڑکی ہے۔" مجو بھائی نے اشارہ پا کر فوراً پورے اعتماد کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔ "میاں پڑھی لکھی ہے۔ شائستہ ہے' خاندان اچھا ہے' تمہیں اور کیا چاہیے۔"

"میں تو خود اس لڑکی پہ فریفتہ ہوں۔ میرا تو جی اس بات پہ جلا ہوا تھا بشو بھابی ہمارے خاندان میں عیب نکالنے بیٹھ گئیں۔ پہلے تحقیق تو کر لیتیں۔ ہمارے دشمنوں نے جیسا کہا اس پہ اعتبار کر لیا۔ تو مجو بھائی انہیں سمجھاؤ۔ میں بھی ان کے پاس جاؤں گی۔ مجھ میں بیٹے والیوں والا ٹھسا نہیں ہے۔ میں خود جا کے انہیں ہر طرح کا اطمینان دلاؤں گی۔ اور توصیف کی طرف سے یہ فکر نہ کریں کہ ابھی اسے کہیں ملازمت نہیں ملی ہے۔ انشاء اللہ جلدی ملے گی۔ ان کی بیٹی کو ہمارے گھر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"خیر یہ تو میں نے بھی انہیں سمجھا دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔" مجو بھائی بولے "آپ میرٹھ کے کچھ لوگ ہیں انہوں نے وہاں جا کر انٹ شنٹ باتیں کی ہیں۔ مگر میں نے اس کا مناسب توڑ کر دیا ہے۔ ویسے بشو بھابی اور آقا حسن دونوں بہت شریف ہیں۔"

"ہاں۔ یہ تو مجھے پتہ ہے۔ آخر لکھنو کے ہیں۔ ایسے ویسے لوگ تھوڑا ہی ہیں۔ باقی ہمارے دشمن تو بہت ہیں۔ جب ہی تو میں چاہوں ہوں کہ یہ کام جلدی ہو جائے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ بات لمبی کھنچنے سے سو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔"

"مجو بھائی انہیں تیار کرو۔"

اختری باجی اب راہ پر آ گئی تھیں۔ اور توصیف کی زبان میں اب تالا لگ گیا تھا مجو بھائی رواں تھے۔ خوبیاں گناتے چلے جا رہے تھے' لڑکی کی' اس کے والدین کی' اس کے خاندان کی۔

مگر میرا دھیان اب کہیں اور تھا۔ منگنی بیاہ سے مجھے ویسے ہی الجھن ہوتی ہے۔ اور یہ گفتگو ذرا لمبی ہی کھنچ گئی تھی۔ کم از کم میرے حساب سے۔ میری نظر اچٹ کر ایک میز ادھر بیٹھے چہرے پر جا کر ٹک گئی۔ لمبی داڑھی کے ساتھ سبز عمامہ سبز کرتا بس طوطا بنے بیٹھے تھے انگلیاں کے بیچ تسبیح گردش کر رہی تھی۔ باجی اختری اور توصیف کے رخصت ہوتے ہی میں نے مجو بھائی کو ٹوکا۔ "مجو بھائی' یہ کون

KitaabPoint.blogspot.com

بزرگ ہیں۔"

"انہیں تم نہیں جانتے۔ عجب بے خبر آدمی ہو۔ غازی صاحب ہیں۔" اور فوراً ہی اونچی آواز سے ان سے مخاطب ہوئے "غازی صاحب قبلہ آداب بجالاتا ہوں۔ مزاج شریف اور ہاں آپ کی تحریک اب کس مرحلہ میں ہے۔"

"آپ لوگوں کی جوش ایمانی اور حمیت دینی کا امتحان ہے۔ صحرا میں اذان دے رہا ہوں۔"

"قریب بیٹھے ایک بزرگ نے ٹھنڈا سانس بھرا" جوش ایمانی اور حمیت دینی اب کہاں ہے۔"

غازی صاحب نے فوراً ٹکڑا لگایا "اس کی سزا بھی مل رہی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔" اور یہ کہتے کہتے غازی صاحب کا لہجہ بدلا اور خطبہ کا رنگ پیدا ہو گیا۔ "اے نیند کے ماتو کب تک خواب غفلت میں غرق رہو گے۔ زمانہ کہاں سے کہاں نکل گیا۔ یہ توہمات کے اسیر وہیں کے وہیں ہیں۔ ادھر اہل مغرب آسمان پہ کمندیں ڈال رہے ہیں۔ ادھر ہم قعر مذلت میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان شاطروں نے کیا کیا۔ ہمارے نوجوانوں کو فلسفہ اور سائنس کی کتابیں دے کر الحاد کے رستے پہ لگا دیا اور خود ایٹم بم بنا لیا۔ لوگوں نے مسلمان مسلمان کی رٹ لگا رکھی ہے۔ میں پوچھتا ہوں مسلمان کون ہے کہاں ہے۔ مجھے تو دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا۔ کوئی مسلمان ہے تو میرے سامنے آئے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ مسلمان ہونے کے کیا معنی ہیں۔ یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ اور عزیزو میں تو ایک سیدھی سی بات جانتا ہوں کہ اگر ہم واقعی مسلمان ہوتے تو پھر ایٹم بم ہم بناتے۔ اغیار ہمارا منہ تکتے۔ خدائے تبارک وتعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کرے ایٹم بم تو ہمارے مقدور میں تھا۔ بنا بنایا رکھا تھا۔ ان کمبخت نئی روشنی والوں نے کہ گریجویٹ بنے پھرتے ہیں قیامت نامہ پڑھا ہوتا تو انہیں پتہ چلتا۔ مگر ہماری غفلت اور اغیار کی عیاری اب ایٹم بم ان کے پاس ہے۔"

"مگر قبلہ غازی صاحب۔" قریب بزرگ نے سوال کیا "اب اس کا علاج کیا ہے۔"

"بجا سوال کیا۔ جن کے دلوں میں اسلام کا درد اور ایمان کی کسک ہے وہ میرے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس زوال کا علاج کیا ہے۔ غازی عطاء اللہ کہتا ہے کہ اس کا علاج ہے اور بہت سیدھا علاج ہے۔ عمل صرف عمل مغرب کی سائنس اور فلسفہ تمہیں کچھ نہیں دے گا ماسواء الحاد کے۔ اس خارزار سے نکلو۔ عزیزو میرا جنوں عقل و ادراک کی ان عیاریوں کو نہیں مانتا۔ یہ سراسر ابولہبی ہے۔ مجھے تین سو تیرہ دیوانوں کی تلاش ہے جو آج کے ابوجہلوں اور ابولہبوں سے مقابلہ کر سکیں جن کا جنون مشرق و مغرب کی اسلام دشمنی کے پہاڑوں سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کر دے۔ تین سو تیرہ دیوانے یعنی تین سو تیرہ سچے مسلمان جس روز یہ اکٹھے ہو گئے اس روز عطاء اللہ غازی کراچی شہر میں نظر نہیں آئے گا۔ بارڈر کے اس پار ہو گا۔ پہلی نماز بابری مسجد میں دوسری نماز مسجد اقصیٰ میں۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''غازی صاحب قبلہ۔'' مجو بھائی نے ٹکڑا لگایا۔'' پروگرام کچھ لمبا نہیں ہو گیا۔''

غازی صاحب نے شعلہ باز نظروں سے مجو بھائی کو دیکھا۔'' اسی ضعف ایمانی نے ہمیں مار رکھا ہے۔ غافل سوچو ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ ہم وہی تو ہیں جنہوں نے بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑائے تھے۔ آج ہماری ہمتیں کیوں پست ہیں۔ آخر بابری مسجد سے مسجد اقصیٰ تک کا فاصلہ کتنا ہے۔ مگر ضعف ایمانی نے ہمارے قدموں میں بھی ضعف پیدا کر دیا ہے۔ میں کب سے چلا رہا ہوں کہ مجھے اپنے پروگرام کے لئے تین سو تیرہ مسلمانوں کی ضرورت ہے مگر اللہ نے جیسے ان کے کانوں پر اور دلوں پر مہریں لگا دی ہوں۔'' غازی صاحب رکے' پھر درد بھرے لہجہ میں بولے'' یا شاید مجھ میں ایمان کی کمی ہے۔ دل میں ایمان کی حرارت ہو تو لفظوں میں بھی حرارت اور تاثیر ہوتی ہے۔ جب میں یہ سوچتا ہوں کہ روز محشر مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا اے عطاء اللہ تو نے اپنا فرض ایمانی کتنا ادا کیا۔ تو تین سو تیرہ مسلمان اکٹھے نہیں کر سکا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھ پہ رقت طاری ہو جاتی ہے۔'' اور یہ کہتے کہتے غازی صاحب پہ رقت طاری ہو گئی۔

غازی صاحب کو رقت کے عالم میں دیکھ کر باجی اختری گھبرا گئیں اور بدحواس ہو کر توصیف کو پکارا۔ توصیف دوڑا دوڑا آیا۔ اور پھر فوراً ہی ٹھنڈے پانی سے بھرا گلاس لے کر غازی صاحب کے سامنے مودب کھڑا ہو گیا۔'' قبلہ پانی پیجئے۔''

''مجو بھائی' وہ جو آپ میرٹھ اور لکھنو کا جوڑا ملوار ہے تھے اس کا کیا بنا۔''

مجو بھائی نے مجھے غور سے دیکھا۔ لگتا تھا کہ میرے سوال پر وہ بہت محظوظ ہوئے بولے'' اچھا سوال ہے۔ میں خوش ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تم روبہ صحت ہو۔''

اس آخری فقرے پر میں تھوڑا چکرایا۔'' کیا مطلب۔''

''مطلب یہ کہ پہلے تم کراچی کی زندگی سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔ مجھے مطعون کیا کرتے تھے کہ کن فضول لوگوں کے فضول قصوں قضیوں میں پھنسے رہتے ہو۔ اب ماشاء اللہ سے تمہیں ان لوگوں میں' ان کے قصوں قضیوں میں دلچسپی پیدا ہو رہی ہے۔ اچھی علامت ہے۔''

''آپ غلط سمجھے۔ مجھے ان لوگوں سے اور ان کی فضولیات سے مطلق دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی البتہ اس سے ہے کہ آپ ان فضولیات میں جو اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اس کا کچھ حاصل حصول ہے۔''

مجو بھائی ہنسے'' چلو یونہی سہی۔ کسی بھی راستے تمہیں اپنے اردگرد کی زندگی سے رتی دو رتی دلچسپی تو پیدا ہوئی یہاں تک تو پہنچے یہاں

KitaabPoint.blogspot.com

تک تو آئے۔ میں خوش ہوں یہ صحت کے آثار ہیں۔"

مجو بھائی کو خوش ہونا چاہیے بھی تھا۔ وہ اپنے مشن میں کامیاب تھے۔ انہوں نے مجھے ذہنی مریض سمجھ کر علاج سوچا تھا کہ اس شخص کو تنہائی کے خول سے نکالو۔ لوگوں میں بیٹھ کر اچھی بری باتیں سنے گا۔ ہنسے بولے گا تو دل بہلے گا اور مزاج کی خشکی دور ہوگی۔ تو وہ شروع میں تو مجھے گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے ملنے جلنے والوں کے یہاں لے جاتے۔ ان لوگوں کے جو مشاغل تھے مثلاً مشاعرہ اور جس قسم کی وہ گفتگو کرتے تھے ان سے میں سخت بور ہوتا تھا۔ مجو بھائی ان کے ساتھ گھلے ملے تھے۔ سو وہ ان سے باتیں کرتے' قہقہے لگاتے اور میں بت بنا بیٹھا رہتا۔ سچی بات ہے ان کے کتنے اشارے کنائے تو میرے سر سے گزر جاتے۔ دوسرے داد کے انداز میں فقرے پر ہنستے قہقہہ لگاتے۔ میں بیوقوفوں کی طرح ان کا منہ تکنے لگتا۔ ان اشاروں کنایوں کا پس منظر تو کراچی کی زندگی تھی۔ یعنی جینے کا وہ طور جو ان لوگوں نے اس شہر میں آ کر نکالا تھا۔ میرا اس زندگی سے ربط کم کم تھا۔ عشرت کی وجہ سے ضرور بعض گھروں میں تھوڑا آنا جانا ہوا تھا۔ اس کے گزر جانے کے بعد میری زندگی کا پرانا طور پھر واپس آ گیا۔ بلکہ اب شاید زیادہ ہی میں ان سے الگ تھلگ ہو گیا۔ اب زمانے بعد مجو بھائی نے مجھے پھر اس خلقت کے بیچ دھکیلنا چاہا۔ ان کی مارا باندھی سے ان محفلوں میں اور ان گھروں میں جہاں ان کی رسائی تھی میں بھی جانے لگا۔ شروع میں جیسا کہ میں نے کہا ان صحبتوں نے مجھے بہت بور کیا۔ مگر رفتہ رفتہ ہوا یہ کہ میری بوریت کم ہوتی چلی گئی۔ ایک عجیب قسم کی دلچسپی نے اس کی جگہ لے لی۔ بس یوں لگتا کہ جیسے میں الگ کھڑا تماشا دیکھ رہا ہوں۔ جیسے جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ بھری پری زندگی کا عمل نہیں ہے' ایک ناٹک ہے۔ مجو بھائی نے صحیح کہا تھا کہ اپنا شہر ست خصمی شہر ہے۔ یا اللہ اس ایک شہر میں کتنے شہر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ جیسے یہ شہر نہ ہوا سمندر ہو گیا کہ برصغیر کی ہر ندی ہر نالہ بہتا شور مچاتا آیا اور اس میں آن ملا۔ مگر ندیاں تو سمندر میں مل کر اسی میں رل مل جاتی ہیں۔ یاں ہر ندی شور کر رہی ہے کہ میں سمندر ہوں۔ اور اپنے مجو بھائی ہیں کہ ہر شور کرتی ندی کے شور میں شامل' ہر برادری کے ہلے گلے میں شریک' اب ساتھ میں مجھے بھی لئے لئے پھرنے لگے تھے۔ بس لگتا تھا کہ ایک ہڑبونگ ہے کہ میں اس میں شامل ہوں اور شامل نہیں بھی ہوں۔ کبھی خوش کبھی اداس کبھی پریشان' کبھی مطمئن کہ میں جس خلقت کے بیچ سے اگا ہوں۔ اس کے بیچ سانس لئے جا رہا ہوں۔ کبھی حیران کہ یہ کون لوگ ہیں' میں کون ہوں' وہ کیا کر رہے ہیں' میں ان کے بیچ کیا کر رہا ہوں۔

"مجو بھائی' یہ تمہارے لوگ کیسے ہیں؟"

"کیا مطلب ہے میاں۔ آخر کیسے ہوتے؟"

KitaabPoint.blogspot.com

''لگتا نہیں کہ یہ وہی لوگ ہیں۔''

''وہی لوگ۔'' مجو بھائی نے تھوڑا تامل کیا۔ پھر بولے ''اماں باوے ہوئے ہو۔ جو انہیں ڈھونڈھ رہے ہو۔ وہ لوگ اب کہاں۔ جب وہاں سے نکل آئے تو ویسے کیسے رہتے۔ وہاں ندیوں کی مٹی تھی' یاں سمندر کی ریت ہے۔''

''تو پھر انہیں دیکھنے کے لئے وہاں جانا پڑے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ مجو بھائی ہنسے ''مگر پیارے یہ نہ ہو کہ جب وہاں پہنچو تو پتہ چلے کہ وہ لوگ اب وہاں بھی نہیں ہیں۔''

''وہ کیوں؟''

''زمانہ۔ میاں زمانہ۔''

''اچھا؟'' میں اداس ہو گیا۔

''ہاں۔'' یہ کہتے کہتے مجو بھائی نے نوٹس دیا۔ ''زیادہ سوچا نہیں کرتے۔ چلو اٹھو چلتے ہیں۔''

''کہاں۔''

''بس چلتے ہیں۔ ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے۔''

''ملا کی دوڑ مسجد تک' میرٹھ والوں کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے یا لکھنو والوں کے در پہ دستک دو گے۔''

مجو بھائی ہنسے۔ ''اچھا آج وہاں نہیں جاتے۔ تمہیں ایک نیا نمونہ دکھاتے ہیں۔''

''وہ کون لوگ ہیں۔''

''بس پوچھو مت۔ چلے چلو۔ دیکھو گے تو خود پہچان لو گے۔''

''اچھا؟''

''ہاں وہ چیز ہی ایسے ہیں۔''

واقعی۔ چیز ہی ایسے تھے۔ ان کی بولی الگ تھی۔ بیوی کی بولی الگ۔

''میاں جواد۔ یہ ہیں ہمارے قبلہ سید شبیر حسین کربلائی۔ تمہارے مطلب کے بزرگ ہیں۔ قبلہ یہ میرے دوست ہیں جواد۔''

''خوب۔ میاں کہاں کے رہنے والے ہو۔''

کہاں کے رہنے والے ہو۔ سید ہو؟ کس خاندان سے ہو' سید اس بستی میں کتنے تھے۔ اور اما مباڑے' وہ کتنے تھے۔ ایک دم سے

KitaabPoint.blogspot.com

اتنے سوال کر ڈالے کہ میں بوکھلا گیا۔

''میاں' ہم شکار پور کے ہیں۔ بلند شہر ضلع میں یہ مشہور سیدوں کی بستی تھی۔''

''سیدوں کی بستی۔'' سیدانی چچی (مجو بھائی انہیں یہ کہہ کر ہی مخاطب کر رہے تھے) نے تحقیر سے کہا۔ ''سیدوں کے تو واں گنتی کے گھر تھے۔ باقی تو ہندو ہی ہندو تھے۔ اے بھیا ہولی کے دن تو وہ اتنی چیخم دھاڑ مچاویں تھے کہ میں بولا جاوے تھی۔ پتہ نہیں کیوں یہ ہر وقت ہمارا شکار پور ہمارا شکار پور کی رٹ رکھے ہیں۔''

''تھے تو وہ ہندو۔'' کربلائی صاحب بولے ''مگر اپنے اپنے ہنر میں ماہر تھے۔ مجید میاں' بنواری کمال کا حلوائی تھا۔ کمبخت کے ہاتھ میں ذائقہ بہت تھا۔ سچی بات ہے' خدا کو منہ دکھانا ہے۔ شکار پور سے نکل کر ویسا بیسن کا لڈو ہم نے نہیں کھایا۔''

''حلوائیوں کی بھی سن لو۔'' سیدانی چچی نے فوراً ہی تردیدی بیان جاری کر دیا۔ ''ایک ہی تو گلی تھی جس میں حلوائیوں کی دکانیں تھیں۔ حلوائی ہندو ہی ہندو۔ اور اے بھیا گلی میں وہ دھواں اور اتنے تتے کہ الٰہی توبہ۔ اوپر سے مٹے کتے۔ کڑھاؤ ذرا خالی ہوا اور انہوں نے اسے چاٹنا شروع کر دیا۔ اور مٹھائی کونسی تھی۔ پاٹ والی گڑ کی گزک' میٹھے تیل میں تلے میٹھے سیو' اور گڑ دھانیاں' اے لو یہ مٹھائی ہوگئی۔ ارے اس سے اچھی مٹھائی تو ایک دفعہ میں چھتاری گئی تھی وہاں کھائی تھی۔''

''چھتاری'' کربلائی صاحب تحقیر آمیز لہجہ میں بولے۔ ''وہاں تو نواب صاحب کی مونچھیں ہی مونچھیں تھیں' اور کیا تھا۔ شکار پور سے چھتاری کا کیا مقابلہ۔''

''اے بھیا انہیں سمجھاؤ۔'' سیدانی چچی مجو بھائی سے مخاطب ہوئیں ''شکار پور میں بھلا تھا کیا۔ اے بھیا بزار میں تو واں خاک اڑے تھی۔ ٹوٹے اکے' مرے گرے بیلوں جتی بیل گاڑیں' تیلیوں تنبولیوں کی دکانیں۔ ارے میں تو کسی سے کہتی ہی نہیں کہ ہم شکار پور کے ہیں۔ بھلا کیوں اپنے پہ ہنسوائیں۔ اللہ رکھو ہمارے دونوں پوت امریکہ میں راج کر رہے ہیں۔ ارے وہ تو دونوں ہی خط پہ خط لکھ رہے ہیں کہ اماں کراچی سے نکلو۔ وہ کوئی رہنے کی جگہ ہے۔ ہمارے پاس امریکہ کا کارڈ ہے۔ بس ہاں کہہ دو' فوراً ویزا لگوا کے ہوائی جہاز میں بٹھال کے آپ کو امریکہ لے آویں گے۔ اور بھیا میں بھی سوچوں ہوں کہ کراچی اب کوئی رہنے کی جگہ رہ گئی ہے۔ دن رات گولی چلے ہے۔ مٹے ہوڑے دندناتے پھرے ہیں۔ جوان جہان آدمیوں کو اٹھا کے لیجاوے ہیں۔ اوپر ڈاکوؤں نے ایسی آفت بوئی ہے کہ اللہ توبہ۔''

''ڈاکو۔'' کربلائی صاحب بڑبڑائے۔ ''ہم تو انہیں ڈاکو ہی نہیں مانتے۔ مجو میاں کسی ڈاکو کا نام تمہیں معلوم ہے۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''ڈاکو کا نام معلوم ہو جائے تو ڈاکو پکڑا نہ جائے۔''

کربلائی صاحب ہنسے ''کیسی باتیں کر رہے ہو مجو بھائی۔ یہی تو ڈاکو کی شان ہوتی ہے کہ اس کے نام کا ڈنکا بجتا ہے' بچے بچے کی زبان پر اس کا نام ہوتا ہے۔ مگر کوئی مائی کا لال ہی ہوتا ہے جو اسے پکڑتا ہے۔ سلطانہ ڈاکو کا نام پورے انڈیا میں گونجتا تھا۔ یہ کہاں کے ڈاکو ہیں کہ کراچی میں بھی کوئی ان کا نام نہیں جانتا۔''

''ارے خیر تم تو اپنا دھندہ لے کے بیٹھ گئے۔'' سیدانی چچی نے پھر ان کی بات کاٹی۔ ''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ کراچی اب رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ ارے میں تو یاں پہ گھڑی پانی نہ پیؤں۔ ایک دھی گھٹنے سے لگی بیٹھی ہے۔ اسے کسی کے پلے باندھ دوں۔ بس جس روز یہ فریضہ ادا ہو گیا۔ اسی روز چاہے ویزا ملے یا نہ ملے بندی امریکہ کے جہاز میں سوار ہو جاوے گی۔''

''نذیر کی ماں کیسی باتیں کرتی ہو۔ امریکہ یاں رکھا ہے۔ کالے کوسوں کا سفر ہے۔''

''اجی پاکستان کا سفر بھی کالے کوسوں ہی کا سفر تھا۔ دم دم کی خیر مناتے ہوئے ہم یاں پہ پہنچ ہی گئے۔ امریکہ کا سفر لمبا سفر تو ہے۔ مگر چین کا سفر ہے۔''

کربلائی صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا ''ٹھیک کہتی ہو۔ عجب گھڑی میں ہم نے شکار پور چھوڑا تھا۔ سارا سفر اسی دھڑکے میں گزر گیا کہ سٹیشن پر پہنچ جائیں گے یا نہیں۔ پل پل کی خیر مناتے ہوئے سفر طے کیا تھا۔''

یہ کہتے کہتے چپ ہوئے اور خیالوں میں ڈوب گئے۔ وقفے کے بعد بولے ''مجید میاں' پرسوں رات کی بات ہے.....ہاں پرسوں رات ہی کی تو بات ہے۔ عجب خواب دیکھا۔ جیسے میں شکار پور گیا ہوں۔ اتنا خوش' اتنا خوش' بس کچھ مت پوچھو۔ اور حیران بھی' حیران یہ دیکھ کر ہو رہا تھا کہ شکار پور اتنا خوبصورت ہو گیا ہے۔ اونچی اونچی پکی عمارتیں جیسے محل ہوں۔ میاں تم یقین کرو گے' یہاں سے وہاں تک پکی ہموار دھول سے اٹی کچی پکی گڑھوں والی سڑکیں سب غائب۔ یہاں سے وہاں تک پکی ہموار سڑکیں شیشے کی طرح چمکتی ہوئی۔ اور موٹریں چل رہی تھیں۔ میں حیران کہ اکے کہاں گئے۔ کوئی بھی اکہ نہیں تھا۔ ایک ربر ٹائر تانگہ دوڑا چلا جا رہا تھا۔ اور ہماری گلی کیسی چمچم کر رہی تھی۔ گلی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر سکون بہت تھا۔ بس میں گلی میں مڑا ہی تھا کہ آنکھ کھل گئی۔'' رکے پھر بولے ''بہت افسوس ہوا۔ کس وقت آنکھ کھلی ہے۔ ہمیشہ خواب میں میرے ساتھ ایسے ہی ہوتا ہے۔ خوش خوش اپنے گھروں کی طرف جا رہا ہوں۔ سوچ رہا ہوں کہ اب آیا گھر۔ مگر ادھر گلی میں قدم رکھا اور آنکھ کھل گئی.....یہ خواب عجب تھا۔''

''ہوگا عجب'' سیدانی چچی بیزاری سے بولیں ''تم تو جب سے یاں آئے ہو ایسے ہی الٹے سیدھے خواب دیکھ رہے ہو۔ یاں آ کے

KitaabPoint.blogspot.com

خواب ہی دیکھے ہیں اور کیا کیا ہے۔ اللہ رکھے نذیر اور بشیر کی کمائی نہ ہوتی تو ہمارے تو گھر میں فاقے پڑ جاتے۔ اور جب سے ان کی کمائی آنی شروع ہوئی ہے۔ اس وقت سے تو انہوں نے بالکل ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے ہیں۔ پتہ نہیں انہیں اتنے خواب کیوں دکھائی دیوے ہیں' اور ہر خواب میں شکار پور مجھ بخت ماری کو تو کبھی خواب میں شکار پور دکھائی نہیں دیا۔ شکار پور خوبصورت ہو گیا ہے۔ خواب میں تو خوبصورت ہی نظر آوے گا۔"

"ایسی تو بات نہیں ہے' نذیر کی ماں۔ پچھلے مہینے جو میں نے خواب دیکھا تھا وہ میں نے تمہیں سنایا بھی تھا۔ دیکھا کہ شکار پور اجڑا پڑا ہے۔ سب جیسے کہیں چلے گئے ہوں۔ یہاں سے وہاں تک سناٹا۔ ایک کتا کھڑا بھونک رہا تھا۔ میں ڈر گیا۔ سوچا کہ جلدی سے گھر چلو۔ گھر جانے کے لئے گلی میں مڑا ہوں۔ دو قدم چلا ہوں گا کہ آنکھ کھل گئی۔"

سیدانی چچی خوابوں کے اس قصے سے بالکل بیزار ہو چکی ہوں۔ بیچ میں دوسرا ہی سوال کھڑا کر دیا۔ "مجو بھائی' وہ جو تم لکھنو والوں کی دھی کا رشتہ کرا رہے تھے اس کا کیا ہوا۔"

"اجی کیا پوچھتی ہو سیدانی چچی' یہ تمہارے لکھنو والے تو بہت مین میخ نکالتے ہیں۔ اچھا بھلا رشتہ طے ہو گیا تھا۔ اب انہوں نے یہ فی نکالی ہے کہ یہ تو گنوارو لوگ ہیں۔ ہم انہیں اپنی بیٹی کیسے دے دیں۔"

"مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ یہ لوگ ضرور کچھ نہ کچھ فی نکالیں گے۔ ان کی انہیں باتوں کی وجہ سے تو بڑی تھک کے بیٹھ گئی۔ خیر اس نے ڈاکٹری کر لی تھی۔ خیر سے اپنا شفاخانہ بھی کھول لیا ہے۔ کسی کے ٹکڑوں کی محتاج تو نہیں ہو گی۔ اس کام میں تو اتنی آمدنی ہے کہ چار کو کھلا کے خود کھاوے گی۔ مگر چھوٹی کیا کرے گی۔ ماں باپ سدا کس کے رہے ہیں۔ اپنی زندگی میں کسی کے پلے باندھ دیتے تو اچھا ہی تھا۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ ان کے بعد وہ کس کے در پر بیٹھے گی۔"

"خیر ایسی بات تو نہیں ہے۔ پڑھی لکھی تو یہ بھی ہے۔"

"اے بھیا خالی پڑھا لکھا ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ہاتھ میں کوئی ہنر بھی تو ہونا چاہیے۔ ویسے تو بی اے' ایم اے مارے مارے پھرے ہیں۔ خالی ڈگری کی اوقات کیا ہے۔ نہ خالی کتابوں میں کچھ رکھا ہے۔ ویسے بھی بھیا یہ تو مردوں کے کام ہیں۔ لڑکی تو سیتی پروتی کاڑھتی بنتی ہی اچھی لگتی ہے۔ کتابیں پڑھ کے کیا اسے افلاطون بننا ہے۔ میں تو جب بھی اس گھر گئی یہی دیکھا کہ وہ لڑکی الگ کونے میں منہ دیئے کتاب پڑھ رہی ہے۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہہ دیا کہ بیٹی' پکانے ریندھنے میں بھی تو دلچسپی لیا کرو کہ کچھ ماں کے کام کا بوجھ ہلکا ہو اور تمہیں بھی گھر بار کا سلیقہ آوے۔ باقی بیٹی کتابوں کا تو یہ ہے کہ جتنی کتابیں ماشاءاللہ تم نے پڑھ لی ہیں ان

KitaabPoint.blogspot.com

سے آدھی بھی حدیث قرآن کی کتابیں پڑھ لیتیں تو عاقبت سنور جاتی۔ یہ نگوڑی انگریزی کی کتابیں پڑھنے میں کے رکات کا ثواب ہے۔"

"سیدانی چچی' آپ بھی کمال کرتی ہیں۔"

"اے بھیا سچی بات تو کہنی ہی پڑتی ہے۔ کوئی برا مانتا ہے تو مان جائے۔ دغل فصل کی باتیں وہ کرے جسے کسی سے کچھ لینا ہو۔ مجھے کسی سے کیا لینا ہے۔ سو سچی بات جب منہ پہ آوے ہے تو میں پھر رکتی نہیں۔ اسی سے تو میں سب کی بری ہوں۔ مگر میری پیزار سے۔ جو مجھے دیتا ہو وہ نہ دے۔"

"چچی یہ تو دوسرا مضمون شروع ہو گیا۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ اچھا بھلا لڑکا ہے۔ شریف خاندان ہے۔ دیکھے بھالے لوگ ہیں۔ ان کے زیادہ مطالبات بھی نہیں ہیں۔ لڑکی وہاں خوش رہے گی۔"

"اے وہ تو ٹھیک ہے۔ اب ان کی بیٹی کے لئے کوئی عرش کا تارہ تو ٹوٹ کے آوے گا نہیں۔ اچھے برے جیسے بھی ہیں۔ یہی لڑکے ہیں۔ مگر ان لکھنو والوں کا دماغ تو عرش معلیٰ پہ ہے۔ اپنے سوا سب کو گنوار سمجھتے ہیں۔ دوسروں کی اولادوں میں سو عیب نکالتے ہیں۔ اپنی بیٹیوں کو سمجھتے ہیں کہ جیسے وہ سانچہ میں ڈھل کے نکلی ہیں۔"

کربلائی صاحب نے بھی اب زبان کھولی۔ کہنے لگے "مجو میاں' میں نے لکھنو دیکھا ہے۔ میں شکار پور کی پچ میں نہیں کہہ رہا۔ خدا لگتی کہتا ہوں کہ اگر امامباڑوں کو الگ کر لو تو پھر جیسا شکار پور ویسا لکھنو۔ بلکہ شکار پور میں تو پھر بھی بہت کچھ ہے ان لوگوں کے سارے دعووں کا جواب حضرات بسمل الہ آبادی نے ایک شعر میں دے دیا ہے۔ وہ الہ آباد کے تھے۔ انہوں نے الہ آباد کی فضیلت کا کیا پہلو نکالا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

بڑھا رہے ہیں بہت لکھنو کی شان مگر
وہ گومتی کو تو گنگا بنا نہیں سکتے

مجو میاں' انصاف سے کہنا' کیسی کہی۔"

"خوب۔ اچھا نکتہ ہے۔"

"ویسے تو لکھنو والے شاعری میں بہت قدم رکھتے ہیں۔ مگر اس شعر کا جواب نہیں لا سکے۔"

"اس بات کا جواب کہاں سے لائیں۔" یہ کہتے کہتے مجو بھائی پھر سیدانی چچی سے مخاطب ہو گئے۔ "سیدانی چچی' ایک ان لوگوں

KitaabPoint.blogspot.com

نے سید ہونے کو مسئلہ بنالیا ہے۔ انہیں گنوار کہتے کہتے یہ سوال کھڑا کر دیا کہ یہ لوگ تو سید ہی نہیں ہیں۔ کمبوہ ہیں۔"

"ہائے یہ میں کیا سن رہی ہوں۔" سیدانی چچی تو اچھل پڑیں۔ "یہ میرٹھ والے سید نہیں ہیں۔"

"سیدانی چچی' میں یہ کہتا ہوں کہ چلو سید نہیں ہیں نہ سہی لڑکا تو ہر اعتبار سے اچھا ہے۔"

"اے بھیا' برا مت ماننا' انصاف کی کہوں گی۔ لکھنو والوں سے مجھے کچھ لینا نہیں ہے۔ مگر یہ بات تو ان کی ٹھیک ہے۔ آنکھوں دیکھتے تو مکھی نہیں نگلی جاتی۔ جانتے بوجھتے غیر سیدوں میں بیٹی کو کیسے جھونک دیں۔"

"سیدانی چچی' اس میں ہرج کیا ہے۔"

"اے ہے کوئی ہرج ہی نہیں ہے۔ اے بھیا کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا چودھویں صدی میں یہ قیامت بھی ٹوٹنی تھی کہ سیدوں کی بیٹیاں غیر سیدوں کے گھروں میں جاویں۔"

"اور سید لڑکے نہ ملیں تو؟"

"ارے یہی تو میں پوچھتی ہوں کہ سید لڑکوں کی اس زمانے میں کیوں اوڑا پڑ گئی۔ سید زادیاں بیٹھی ہیں اور یہ ڈوبے سیدوں کے لڑکے کن کن کے پیچھے باولے بن رہے ہیں۔ میں یہ کہوں ہوں کہ قیامت کے دن جب خاتون جنت ان سے پوچھیں گی کہ بخت مارو' تمہارا خانہ خراب ہو' تم نے میری نسل کیوں خراب کی تو یہ کیا جواب دیں گے۔"

"یہ آج کل کے سید زادے۔" کربلائی صاحب بڑبڑائے "سادات پہ کیا زوال آیا ہے۔" کربلائی صاحب نے ایک لمبا ٹھنڈا سانس لیا اور چپ ہو گئے۔ بس اسی لمبے سانس پر وہ ملاقات ختم ہو گئی۔

شام پڑے محبو بھائی کا فون آیا "اماں گھر ہی پہ ہو۔ کیا کر رہے ہو؟"

"میں تو گھر ہی پہ ہوں۔ بیٹھا مکھیاں مار رہا ہوں۔ مگر حضور آپ آج کہاں غائب ہیں۔"

"اماں' بور ہو رہے تھے۔ پہلے تو ہم نے تمہارا انتظار کیا۔ مگر جب تم نہیں آئے تو ہم نے سوچا کہ استاد کو آج بینک نے پکڑ لیا۔ تو میں اکیلا ہی نکل کھڑا ہوا۔ سوچا کہ توصیف میاں سے مل لیں۔ یاں آئے تو ایک اور افتاد پڑ گئی۔"

"وہ کیا۔"

"اس علاقہ میں گڑبڑ ہو گئی۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''اچھا؟'' کیا ہوا۔''

''کہتے ہیں کہ نقاب پوش تھے۔ وہ تو اندھا دھند گولیاں چلا کر چلے گئے۔ اس وقت تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔ چلے گئے تو مار پیچھے پکار۔ ہنگامہ شروع ہو گیا۔ فوراً ہی پولیس آ گئی۔ پھر وہی ہوا جو ہوا کرتا ہے۔ اور پھر کرفیو۔ تو جواد میاں' ہم تو ادھر پکڑے گئے۔ رات ادھر ہی گزرتی نظر آ رہی ہے۔ تو صیف میاں نے جھٹ رتجگے کا پروگرام بنا ڈالا۔ یعنی مشاعرہ۔''

''ایسا موقعہ آپ کو خدا دے۔''

''بس بھائی پکڑے گئے۔ بندگی بیچارگی۔ تو صیف میاں کے قبضہ قدرت میں ہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ گلی شاعروں سے پٹی پڑی ہے۔ سو مشاعرہ رات بھر چلے گا۔ ساتھ میں تار روٹی۔''

''یہ تار روٹی بیچ میں کہاں سے آ گئی۔''

''اماں تمہیں پتہ نہیں۔ برابر میں رامپور والوں کا گھر ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے یاروں کے لئے تار روٹی کی آفر دے دی۔ تو کرفیو کی رات اچھی گزر جائے گی۔ ادھر تو کچھ نہیں ہوا؟''

''نہیں۔''

''پھر بھی چوکنے سونا۔ نعمت خاں ہے نا؟''

''اسے کہاں جانا ہے؟''

''بس ٹھیک ہے۔ کل کسی وقت کرفیو نرم پڑ گیا۔ تو بس اس وقت ہی یہاں سے رہائی ملے گی۔''

تو مجو بھائی کرفیو کے بہانے ادھر اپنے شغل میں لگ گئے۔ میں نے بھی اپنے لئے مصروفیت پیدا کر لی۔ پچھلے دنوں کباڑی کے یہاں سے ایک کام کی کتاب ہاتھ آ گئی تھی۔ سوچا کہ آج ذرا اس کی مہورت ہو جائے۔ مگر کتابوں میں ایسی رل مل گئی تھی کہ مل ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے چکر میں ساری کتابیں الٹ پلٹ کر ڈالیں۔ کتابوں کی الٹ پلٹ میں عجب ہوتا ہے۔ کب کب بھولے بسرے کاغذات برآمد ہوتے ہیں۔ کوئی کتابوں کے پیچھے سے' کوئی کتاب کے اندر رکھا ہوا' کوئی کتابوں کے بیچ میں ٹھنسا ہوا۔ اور ہر ایسے کاغذ کے ساتھ گزرے دنوں کی کوئی یاد زندہ ہو جاتی ہے' کسی بھولے واقعہ کی تجدید ہو جاتی ہے۔ اسی الٹ پلٹ میں کئی خط برآمد ہو گئے۔ کتابوں کے پیچھے پڑے تھے۔

عزیز از جان میاں منن طولعمرہ پھوپھی غریب کی ہزاروں دعائیں لو اور خوش رہو۔ لال' کیا ہم سے خفا ہو کہ کبھی دو حرف خیریت

KitaabPoint.blogspot.com

کے بھی نہیں لکھتے۔ آخر پتہ تو چلے کہ غریب پھوپھیا کی کس بات سے دل پہ میل آیا ہے۔ میں نے تو تمہیں پھول کی طرح رکھا تھا۔ پھر بھی نگوڑی کوئی بات ہوگئی ہو تو بیٹے معاف کردو۔ تم اپنی پھوپھی اماں کو بھول گئے۔ مگر پھوپھی اماں تمہیں کیسے بھول جائے کہ تم اس کے موئے ماں جائے کی اکلوتی نشانی ہو۔ اللہ اللہ کر کے تمہیں پالا۔ گو موت کیا۔ تمہاری خاطر دن کو دن نہیں سمجھا' رات کو رات نہیں گردانا۔ خود گیلے میں سوئی تمہیں سوکھے میں سلایا۔ کتنی راتیں ایک کروٹ سوئی کہ کروٹ بدلنے میں تم بے آرام نہ ہو۔ تمہاری نگوڑی نیند بھی تو ایسی تھی کہ مشکل سے آتی تھی۔ اور ذرا کروٹ لو تو آنکھ کھل جاتی تھی اور ایک دفعہ کھل جاتی تو پھر مشکل سے لگتی تھی۔ پٹ بیجنا سی آنکھیں جھپکارتے رہتے تھے۔ پھر کتنی مشکلوں سے تمہیں سلاتی تھی۔ تو لال' ایسے ہم نے تمہیں پالا۔ یہ کیا خبر تھی کہ بڑے ہو کر ایسی پیٹھ دکھاؤ گے کہ غریب دکھیا پھوپھی پھر تمہاری صورت کو ترس جاوے گی۔ اللہ رکھے لوگ پردیس تو پہلے بھی جایا کرتے تھے۔ بھیا جان اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے سات سمندر پار کر کے ولایت میں جا براجے تھے۔ مگر اٹھوارے پندھرواڑے میں خیریت کا تار برقی بھیجتے تھے۔ یہ اس زمانے کی محبتیں تھیں۔ اب ناس پیٹا نیا زمانہ ہے اور پاکستان بن گیا ہے۔ کیسے خون سفید ہوئے ہیں۔ کہ جو ادھر جاتا ہے پلٹ کر نہیں دیکھتا۔ ارے تمہارا پاکستان تمہیں مبارک رہے۔ خاطر جمع رکھو' ہم حصہ بٹانے نہیں آویں گے۔ ہم تو محبتوں کے بھوکے ہیں۔ اگر مہینے دو مہینے میں خیر صلا کا پرزہ لکھ دیا کرتے تو ہم سکھی رہتے۔ اب جی ہولیں کھاتا رہتا ہے۔ کہ الٰہی ہمارے بچے آنکھوں کے تارے جی کے سہارے اللہ میاں کے پچھواڑے گئے ہیں۔ خیریت سے رہیں۔ سوائے غم حسین کے کوئی غم انہیں مت دکھائیو۔

اب اپنی دکھیا پھوپھیا کا حال سنو۔ ہوا تو اتو میں پہلے ہی تھی۔ اب یہ سمجھو کہ ہڈیوں پہ بس کھال منڈھی رہ گئی ہے۔ بھوک مر گئی ہے۔ ایک پھلکا پورا کھالوں تو پیٹ ترم ہو جاتا ہے۔ ہری گیلی چیز کو ترس گئی۔ موسم کی کونسی شئے ہے جو گھر میں نہیں آتی۔ پہلے والا زمانہ نہیں۔ مگر اب بھی گھر میں افراط رہتی ہے۔ کھانے والے تو چلے گئے۔ افراط ہی رہے گی۔ پوکھر سے تازہ تازہ نکلے ہوئے کچے کچے گلاب سے مہکتے سنگھاڑے' دودھیا دانوں سے بھرے بھٹے' سیندیں' پھوٹ' خربوزہ' تربوز' سب سے بڑھ کے آم جامن' اپنی اپنی فصل پہ ہر چیز اب بھی گھر میں اتنی آتی ہے کہ سیروں کے حساب سے گل سڑ کے پھنکتی ہے۔ مگر میں ہر شئے کے لئے ترس گئی۔ کوئی چیز ہضم نہیں ہوتی۔ معدے پہ خدا کی شنوار' گھڑی بھر میں تولہ ماشہ ہو جاتا ہے۔

کیا تمہیں یقین آوے گا کہ اب کے ساون میں پکوان کے نام ایک پھلکی میرے منہ میں نہیں گئی۔ ایسا نہیں ہے کہ گھر میں کڑھائی نہ چڑھی ہو۔ ارے ویسے تو اب کا ہے کا ساون رہ گیا ہے۔ اب تو سارا ساون بھادوں تمہاری پھوپھیا کی آنکھوں میں سمٹ